میر غلام علی آزاد بلگرامی

از: ڈاکٹر عبدالغفار انصاری ۔ صدر شعبہ فارسی بھاگلپور یونیورسٹی

میر غلام علی نام اور آزاد تخلص تھا[1] مولانا شبلی[2] نے لکھا ہے کہ سید محمد صغریٰ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید تھے اور سلطان التمش کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ آزاد بلگرامی کا سلسلۂ نسب سید محمد صغریٰ تک پہنچتا ہے۔ مولانا شبلی[3] عبدالمقتدر[4] اور قدرت اللہ[5] نے لکھا ہے کہ آزاد بلگرامی، میر عبدالجلیل کے نواسہ تھے۔ خوشگو[6] مصحفی[7] مولانا شبلی[8] اور قدرت اللہ کا بیان ہے کہ وہ "واسطی سید" تھے۔

آزاد بلگرامی نے اپنے نسب کے بارے میں لکھا ہے۔

"آزاد الحسینی نسباً والواسطی اصلاً والبلگرامی مولداً ومنشاءً والحنفی مذہباً والچشتی طریقۃً"[9]

مولانا شبلی کا بیان ہے کہ روز یکشنبہ ۲۵ر صفر ۱۱۱۶ھ میں آزاد بلگرامی محلہ میدان پورہ بمقام بلگرام پیدا ہوئے۔ آزاد بلگرامی نے بھی لکھا ہے کہ وہ ۲۵ر صفر ۱۱۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ قدرت اللہ اور عبدالمقتدر متفق ہیں کہ انھوں نے کتب درسیہ میر طفیل محمد

---

[1] مردم دیدہ ص ۳۴ ۔ [2] [3] مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۱۸ - ۱۱۹۔ [4] کٹلاگ خدا بخش لائبریری جلد سوم ص ۲۵۲۔ [5] نتائج الافکار مطبوعہ ص ۸۷۔ [6] سفینہ خوشگو ص ۲۶۹۔ [7] عقد ثریا ص ۸۔ [8] سرو آزاد ص ۲۹۳۔ ومقالات شبلی ۵ ص ۱۱۹

بلگرامی سے پڑھیں، جو اس زمانہ کے مشہور استاد تھے۔ عروض و قافیہ اور ادب کی بعض کتابیں میر سید محمد سے پڑھیں جو ان کے ماموں تھے۔ اپنے نانا میر عبد الجلیل بلگرامی سے لغات و حدیث کی کتابیں پڑھیں شیخ حیات سندھی سے مدینہ منورہ میں صحاح ستہ کی سند حاصل کی۔ اکثر راتوں میں مسجد نبویؐ میں صحیح بخاری کا مطالعہ کرتے تھے۔ شیخ عبد الوہاب طنطاوی مصری سے مدینہ منورہ میں احادیث پڑھیں۔

آزاد بلگرامی کے ماموں میر سید محمد، بادشاہ دہلی کی طرف سے سندھ کے میر بخشی اور وقائع نگار تھے۔ سیوستان جو سندھ کا ایک شہر ہے اس کا صدر مقام تھا۔ ۱۱۴۲ھ میں وہ اپنے ماموں سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔ دہلی، لاہور اور ملتان ہوتے ہوئے ایک برس تین مہینے میں سیوستان پہنچے۔ میر سید محمد نے انکو اپنا قایم مقام بنا کر خود بلگرام کا سفر کیا اور چار برس کے بعد واپس آئے۔ آزاد بلگرامی ۱۱۴۷ھ میں سیوستان سے دہلی آئے۔ اس سفر میں واکہ داغستانی بھی لاہور سے دہلی تک انکے ساتھ آئے۔ آزاد بلگرامی[1] نے لکھا ہے کہ ۱۱۴۷ھ میں جب وہ سندھ سے واپس آرہے تھے تو واکہ داغستانی سے لاہور میں ملاقات ہوئی۔ آزاد بلگرامی کی واکہ داغستانی سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ دونوں دہلی تک ساتھ ہی آئے۔ آزاد بلگرامی ایک ہفتہ دہلی میں رہنے کے بعد الہ آباد چلے گئے۔ اور واکہ داغستانی نے دہلی ہی میں سکونت اختیار کی۔ تھوڑے دنوں کے بعد ۱۳ رجب ۱۱۵۰ھ میں آزاد بلگرامی حج بیت اللہ کو روانہ ہوگئے اور حج سے فارغ ہو کر پھر دکن آئے۔ لیکن واکہ داغستانی سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ واکہ داغستانی کی موت کی خبر سنی۔ واکہ داغستانی اور آزاد بلگرامی کی صحبت کا زمانہ بہت مختصر تھا لیکن واکہ داغستانی کی شخصیت اس قدر پرکشش تھی کہ اس مختصر مدت ملاقات میں واکہ داغستانی کے ساتھ آزاد بلگرامی کی علمی نوک جھونک رہی[2] آزاد بلگرامی نے واکہ داغستانی کے

---

[1] خزانہ عامرہ ص ۳۳۸-۳۴۱۔ [2] مقالات شبلی ص ۱۱۹-۱۲۰ جلد پنجم۔

متعلق ایسی باتیں لکھی ہیں جو دوسرے تذکرہ نگاروں نے نہیں لکھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد بلگرامی نے واله داغستانی کے بارے میں کافی معلومات حاصل کیں تھیں

محمد علی تبریزی[1] نے لکھا ہے کہ واله داغستانی اور آزاد بلگرامی کے درمیان صحبتیں رہیں۔ آزاد بلگرامی نے خزانہ عامرہ کی تالیف کے وقت ریاض الشعراء کا ایک نسخہ بھی حاصل کیا تھا۔ آزاد بلگرامی نے خزانہ عامرہ ۱۱۷۶ھ میں تالیف کیا۔ راقم حروف کا خیال ہے کہ ریاض الشعراء کا نسخہ انھوں نے واله داغستانی سے نہیں پایا ہوگا۔ کیوں کہ ۱۱۶۹ھ میں واله داغستانی انتقال کر چکے تھے۔

آزاد بلگرامی[2] کے بارے میں مولانا شبلی کا بیان ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"اُن کی تصنیفات ہندوستان میں اپنی قسم کی پہلی تصنیف ہیں..... ہندوستان کے سینکڑوں ہزاروں علما و فضلا کے حالات پر آج گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ آزاد سب سے پہلے شخص ہیں جس نے ہندوستان کے علماء اور ارباب عمائم کے حالات قلمبند کئے۔"

آزاد بلگرامی نے اگرچہ کبھی کسی کی مدح نہیں کی تھی۔ لیکن حج بیت اللہ کے شوق میں نظام الملک آصف جاہ کی مدح میں ذیل کی رباعی کہی۔

اے حامی دین محیط جود و احسان — حق داد ترا خطاب آصف شایان
او تخت بہ درگاہ سلیمانؑ آورد — تو آل نبیؐ را بہ در کعبہ رسان

نظام الملک آصف جاہ وزیر محمد شاہ بادشاہ نے آزاد کے سفر حج کا انتظام کر دیا تھا۔ اُس وقت آزاد بلگرامی کی عمر چھتیس[36] سال تھی۔ وہ آٹھ ماہ مدینہ منورہ میں رہے[3]

---

[1] مقالات شبلی ص ۱۱۹ - ۱۲۰ - جلد پنجم - [2] ریحانۃ الادب چہارم ص ۲۷۳ -
[3] مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۲۱ - ۱۲۴ -

آزاد بلگرامی نے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی جس کا اظہار انھوں نے ذیل کے شعر میں کیا ہے۔

جنت تو آزاد ندیدم کہ باین حسن واداء[1] شعر گوید بزبان عربی و عجمی

آزاد بلگرامی کی شہرت صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ملک عرب میں بھی تھی جس کا خود اُن کو یقین تھا۔

رصاحبان سخن کیست ہجو من آزاد[2] کہ در بلاد عرب نیز گشتہ ام مشہور

میر عبدالوہاب افتخار، آزاد بلگرامی کے دوست اور شاگرد تھے[3]۔ لچھمی نرائن شفیق[4] نے لکھا ہے کہ گلشن علی جونپوری کو آزاد بلگرامی سے غائبانہ اخلاص تھا۔ آزاد بلگرامی کو علماء فضلاء اور شعراء سے ملاقات کا بہت شوق تھا۔ انھوں نے آفرین لاہوری اور شیخ حزین سے بھی ملاقات کی تھی۔ حاکم لاہوری[5] نے کئی بار آزاد بلگرامی سے ملاقات کی تھی۔ انھوں نے آزاد بلگرامی کے حسن اخلاق کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کا خاندان علم وفضل کا خاندان تھا۔ وہ خلق اللہ سے تواضع اور کشادہ پیشانی سے ملتے تھے۔ غریبوں اور فقیروں کو اپنی سخاوت سے خوش کرتے تھے۔

مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ ایک دن نواب ناصر جنگ شہید دربار میں آئے۔ تمام شعراء وفضلائے دربار مثلاً صمصام الدولہ شاہنواز خاں، موسوی خان جرأت اورنگ آبادی، رضوی خاں، میرزا جان رسا اور نقد علی خان ایجاد بھی تھے۔ نواب موصوف نے تازہ غزل جو آزاد بلگرامی سے اصلاح پا چکی تھی پڑھنی شروع کی۔ ایک شعر میں سرو کو خراماں باندھا تھا۔ اس شعر پر سب کی نگاہیں معترضانہ اٹھیں۔ آزاد بلگرامی نے فوراً مرزا صائب کا شعر سند میں پڑھا۔ وہ شعر ذیل میں نقل ہے۔

---

[1] [2] تذکرہ قبلہ نظیر ص ۴۴۔ [3] تعارف تذکرہ بے نظیر ص ۷۔ [4] گل رعنا ورق ۲۱۲۔ [5] مردم دیدہ ص ۳۴۔ ۳۵۔

یک رو برآرہ از آستین دست نگارین در چمن تا دست ہا پنہان کند سرو خراماں در بغل

جرأت نے کہا ہے کہ تعجب ہے صائب نے سرو کو خراماں باندھا۔ سرو تو چلتا پھرتا نہیں؟ آزاد بلگرامی نے جواب دیا کہ شاعری کی بنیاد تخیل پر ہے۔ شاخیں جو ہوا کے اشارے سے ہلتی ہیں جن سے درخت جھومتا نظر آتا ہے۔ یہی سرو کا خراماں ہونا ہے[1]

مولانا شبلیؒ کا بیان ہے کہ آزاد بلگرامی نے "سبحۃ المرجان" میں ایک خاص باب باندھا ہے جس میں انھوں نے عربی زبان میں بھاشا کے خیالات اور شاعرانہ صنائع منتقل کیے ہیں۔ ہندی کے بحور و قوافی کا بھی انھوں نے عربی سے مقابلہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہندی کی اکثر بحریں عربی و فارسی سے مختلف ہیں۔

خان آرزو سے آزاد کی غائبانہ ملاقات تھی۔ انھوں نے لکھا ہے کہ آزاد بلگرامی اُن سے غائبانہ اخلاص رکھتے تھے[2]

عبد المقتدر رکٹلاگر خدا بخش لائبریری نے لکھا ہے کہ آزاد بلگرامی نے ۱۱۹۹ھ یا ۱۲۰۰ھ میں وفات پائی۔ قدرت اللہ کا بیان ہے کہ ۱۲۰۰ھ کے آخر میں رحلت کی، مولانا شبلیؒ نے لکھا ہے کہ ۱۲۰۰ھ میں بمقام اورنگ آباد انتقال کیا۔

تصنیفات آزاد بلگرامی

(۱) سرو آزاد : شعراء کا تذکرہ ہے۔

(۲) ید بیضا : شعراء کا تذکرہ ہے۔ مولانا شبلی نے اس کا مسودہ آزاد کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا تھا۔

(۳) مآثر الکرام :۔ خصوصاً بلگرام اور عموماً فقراء اور علمائے ہندوستان کے حالات میں ہے۔

---

[1] [2] مقالات شبلی پنجم ص ۱۳۲، ۱۳۴-۱۳۶۔ [3] مجمع النفائس ورق ۳۴۔

(۴) خزانہ عامرہ :۔ خاص طور پر اُن شعراء کے حالات میں ہے۔ جن کو دربار شاہی سے صلے ملے تھے۔ اس میں ہندوستان کی تخصیص نہیں۔ یہ ۱۱۷۶ھ کی تالیف ہے اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن میں بھی ہے۔

(۵) روضۃ الاولیاء :۔ یہ صوفیاء کے حالات میں ہے۔

(۶) سند السعادات فی حسن خاتمۃ السادات۔ اس میں ثابت کیا ہے کہ سادات کا خاتمہ ضرور اچھا ہوتا ہے۔

(۷) دیوان فارسی :۔ ایک نسخہ محمد علی خدا بخش لائبریری میں ہے۔

(۸) دیوان عربی :۔ عربی اشعار کا دیوان ہے۔

(۹) شرح بخاری :۔ چند ابواب کی شرح ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶) بہرحال مسلمانوں کے لئے بددل اور مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، جس طرح یہ ملک دوسروں کا ہے مسلمانوں کا بھی ہے اور اس بنا پر اُن کا فرض ہے کہ وہ اس کو خوش حال، ترقی یافتہ اور پرامن بنانے کی جدوجہد کریں۔ اس سلسلہ میں انھیں محسوس کرنا چاہیے کہ بنیادی طور پر اس وقت ملک میں دو قسم کے عناصر ہیں جو کام کر رہے ہیں، ان میں ایک عنصر رجعت پسندوں اور احیائیوں (Reactionaries or revivalists) کا ہے اور دوسرا ترقی پسندوں Progressives کا عنصر ہے، مسلمانوں کو اپنی یہ عادت ترک کرنی چاہیئے کہ وہ ہر برسر اقتدار پارٹی کا دم چھلا بن جاتے ہیں، انھیں بیدار مغزی اور روشن خیالی سے اُن عناصر کا سُراغ لگانا چاہیے جو واقعی ترقی پسند ہیں اور اب سے تین ہزار برس پہلے زمانہ کا خواب نہیں دیکھتے، مسلمان اس ملک کی نہایت موثر اقلیت ہیں، اگر ہندوستان کے سب مسلمان متحد اور منظم ہو کر ان ترقی پسند عناصر کا ساتھ دیں، ان کو قوت بہم پہنچائیں اور اُن کے ہاتھ مضبوط کریں تو کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اس ملک میں ایک خوش گوار انقلاب برپا نہیں کر سکتے، برہان سیاسی پرچہ نہیں ہے۔ ورنہ ہم اس پر مفصل اظہار خیال اور اس کے تمام پہلوؤں پر بحث کرتے۔

التقریظ والانتقاد:

اُردو املا

ایک تنقیدی جائزہ

(۴)

از: جناب مولوی حفیظ الرحمان صاحب واصف

دُغدغہ | عربی لفظ ہے۔ دبا کر مبہم غیر واضح بات کرنا، چبا چبا کر باتیں کرنا، کسی چیز کو چھپانا، گدگدی کرنا طبقہ علما میں شک و تردد کے معنی میں یہ لفظ رائج ہے۔ اہل فارس اس کے معنی لکھتے ہیں خوف، دھڑکا، تشویش، اضطراب وغیرہ، ایک تصرف انھوں نے یہ کیا ہے کہ گدگدی کے معنی میں بکسرۂ دالین بولتے ہیں۔

اردو میں شک و تردد اور تشویش کے معنی میں لفظ دُگدا مشہور اور فصیح ہے۔ آصفیہ میں اس کو عوامی لکھا ہے یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اس کی اصل کی تحقیق نہیں۔ اگر یہ دغدغہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے تو املا میں ہائے مخلوط نہیں ہے۔ اور اگر بقول آصفیہ دبدھا کا دوسرا تلفظ ہے تو دگدھا کا املا بہائے مخلوط ہونا چاہیے۔ (میں ہمیشہ بغیر ہائے مخلوط کے لکھتا ہوں)۔

روشن، تابان، قمقمہ کے معنی میں ہندی لفظ دگدگا ہے۔ اس معنی میں جو لوگ غین سے بولیں اُن کو آگاہ کیا جائے۔ (اول تو یہ لفظ شاذ ہے پرانی کتابوں میں کہیں آیا ہوگا۔ عام طور پر تو سننے میں نہیں آتا) صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس میں سخت الجھاؤ پیدا کر دیا۔ یہ کہہ کر بری الذمہ ہونے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں نے اس کو دغدغہ کر دیا ہے۔ مسلمانوں نے ہی تو ممتاز کو منتیاز، اسحاق کو اشاق، مختار کو مختیار، عائشہ کو

عاشیہ، خدیجہ بروزن عقیدہ کو بروزن زبیدہ کر لیا ہے۔ لیکن اہل لغت کا فریضہ کیا ہے؟۔ کیا صرف یہ کہہ کر بری الذمہ ہو سکتے ہیں؟ کہ "بہر حال یہ بھی ایک لغظ ہے"

دہریہ | ایک مذہبی فرقے کا نام ہے جو کائنات کو قدیم و غیر مخلوق مانتے ہیں۔ لفظ دہریہ فرقہ کی صفت ہے۔ دہریہ میں یائے نسبتی مشدد اور تائے تانیث ہے۔ فرقۃٌ دھریۃٌ اردو میں مذکر پر بھی لفظ مؤنث کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ اصل میں ایک مرد کو دہری اور ایک عورت کو دہریہ کہنا چاہیے تھا۔ اتنا سا تصرف اس کو الف سے لکھنے کے لئے وجہ جواز نہیں بن سکتا۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے لفظ شیعہ ایک فرقہ کا نام ہے معنیً جمع بھی اور مونث بھی ہے لیکن واحد جمع، مذکر مؤنث سب پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

ردّہ | عربی لفظ ہے۔ چوں کہ ایک ردے کے بعد ہاتھ پھر واپس آتا ہے اس لئے ردّہ نام پڑا۔ اس کو الف سے لکھنے کا کوئی جواز نہیں۔

یک منزلہ وغیرہ | منزلہ میں جو ہائے مختفی ہے اس پر لفظ خاکہ کے تحت اظہار خیال کر چکا ہوں اس کو تو اردو ترکیب میں بھی بہائے مختفی لکھنا چاہیے۔ مثلاً چھ منزلہ عمارت، سات منزلہ بارہ منزلہ۔

زنانہ | فارسی میں لفظ آنہ جو لاحقہ کے طور پر آتا ہے وہ کبھی تو تشبیہ کا فائدہ دیتا ہے جیسے اقدام شجاعانہ، کبھی ہیئت و حالت کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے کلاہ شاہانہ یا نشست شاہانہ، کبھی تواتر کو ظاہر کرتا ہے جیسے روزانہ، ماہانہ۔ کبھی نسبت کے لئے آتا ہے۔ جیسے محفل شبانہ۔ کبھی معنی مصدری کو ظاہر کرنے کے لئے، جیسے باغیانہ و سرکشانہ۔ وغیرہ

لہذا لفظ زنانہ اگر مکان یا کپڑے وغیرہ کی صفت ہو تو الف سے لکھنے کا کوئی جواز نہیں۔ اور اگر زنخے کے معنی میں ہو تو الف سے ہی لکھنا چاہیے۔ کیوں کہ وہ ایک اسم جنس کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اور اس حیثیت سے مؤکد ہے۔

زردہ | فارسی لفظ ہے۔ کچھ بھی معنی ہوں الف سے لکھنے کی ضرورت نہیں۔

قتلہ | عربی لفظ ہے۔ قتل سے ماخوذ ہے۔ تائے تانیث حالت وقف میں مبدل بہا ہوگئی ہے الف سے کیوں لکھا جائے۔

ہمالہ | ایک سلسلہ کوہ کا عَلَم ہے۔ اس کا تلفظ سنسکرت میں دیکھا جائے۔ آصفیہ نے جو تشریح کی ہے اس سے تو کسی طرح الف سے لکھنے کا جواز نہیں نکلتا۔ مزید تحقیق کیجئے اور یاد رکھیے کہ عَلَم کو اپنی اصلی صورت پر قائم رہنا چاہیے۔

ہیجڑا | دہلی میں اس کا تلفظ ہیائے معروف ہے۔ (ہ ی ج ڑا) اور یہ تلفظ اصل سے قریب تر ہے۔ یہ فارسی لفظ ہیز سے بنایا گیا ہے۔ زے کو جیم سے بدل کر آگے کلمۂ تحقیر لگا دیا۔

نصیبہ | اردو میں اس لفظ نے کیا نیا روپ دھار لیا ہے۔؟ میں نہیں سمجھ سکا۔ عربی کے اہل لغت نصیبۃٌ کو مؤنث النصیب لکھتے ہیں۔ خالص عربی لفظ ہے اور اپنے اصل معنی یعنی حصے کے معنی میں مستعمل ہے۔ الف سے کیوں لکھا جائے؟

نقشہ | عربی کا لفظ ہے۔ اس کا بھی روپ دھارن سمجھ میں نہیں آیا۔

آبخورہ | کو الف سے لکھنا ذوق سلیم قبول نہیں کرتا۔ فارسی میں بھی یہ لفظ آتا ہے اور برتن کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ البتہ جوتی خورا کو الف سے لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

گلہ، صلہ، ص ۱۰۳۔ کعبہ، سجدہ، پردہ ص ۱۱۶

اگر ایسے الفاظ الف کے قافیے میں آئیں تو ہائے مختفی کو کتابت میں الف سے بدلنے کی ضرورت نہیں صوتی قافیہ ہے پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں۔ لفظ صلہ گلہ اور صلا گلا الگ الگ معنی رکھتے ہیں۔ التباس سے بچنے کے لئے دونوں کے املا میں امتیاز ضروری ہے ص ۲۰۳ پر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ہنس کا قافیہ بلا تردد کس مگس کے ساتھ درست ہے مگر

ہنس کا املا بالنون غنہ ہی رہے گا۔ تو اگر ہم یہ کہیں کہ گلہ، صلہ، مزہ، ستارہ، کا قافیہ دعا، وفا کے ساتھ باندھنا جائز ہے مگر ان کا املا نہیں بدلے گا۔ تو برا ماننے کی کیا بات ہے۔

مزہ: بہائے مختفی ہی صحیح ہے۔ دانا اور دانہ کا امتیاز ہر حال میں رہنا ضروری ہے۔ شکر پارہ۔ سنگ پارہ، تھکا ماندہ، باقی ماندہ۔ بہائے مختفی ہی صحیح ہیں۔

ذرا: جو لوگ ذرا کو (ز) سے لکھنے پر اصرار کرتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ عربی لفظ ذرّہ کا مخفف ہے۔ دو تصرف تو کثرت استعمال سے ہو گئے، یعنی تشدید نہیں رہی اور ہائے مختفی الف سے بدل گئی۔ اب ذال کو زے سے بدلنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ شاید اگلے سال میں جیم سے بدلنے کا حکم دیا جائے گا۔

ہائے مختفی ص ۱۰۶

ہندی اور فارسی میں ہائے مختفی کا وجود تسلیم کرنے کے باوجود گلہ، مزہ، صلہ، راجہ، روپیہ، پیسہ کو الف سے لکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ خود ہی ایک نظریہ قائم کیا جاتا ہے۔ اس سے ایک کلیہ ہاتھ آجاتا ہے۔ پھر اس سے قاعدہ بنتا ہے۔ اور پھر چند سطروں کے بعد بیسیوں مستثنیٰ لکھے جاتے ہیں۔ کتاب میں شروع سے آخر تک بیسیوں کلیے ہاتھ آتے ہیں۔ جن کی بنیاد اپنے ہی مفروضات پر ہے۔ پھر قاعدہ بنا اور کچھ آگے جا کر خود ہی لوٹ گیا۔

بعض مرتبہ تو کتاب کا موضوع ہی مشتبہ ہو جاتا ہے۔ سوچنا پڑتا ہے کہ کتاب کا موضوع صرف و نحو ہے یا لغت و ادب ہے یا منطق و فلسفہ؟

ماہرین لسانیات نے تغیرات الفاظ کے بارے میں ایک اصول قائم کیا تھا، غلط العام فصیح۔ فاضل مصنف نے اپنی اجتہادی اپج کو شامل کر کے اس میں اپنی وسعت پیدا کر دی کہ نہ صرف غلط العوام بلکہ غلط الجہلاء تک کو اس فہرست میں شامل کر دیا

دوسری طرف املا کے بارے میں طبیعت نے اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ جولانی دکھائی مگر مخالف سمت میں۔ کہ اصول وضوابط، عرف عام، ذوق سلیم وغیرہ کو نظر انداز کرکے صحیح کو غلط کرنا شروع کر دیا۔

جس طرح الفاظ کے تغیرات کے بارے میں یہ اصول مسلم ہے کہ غلط العام فصیح اسی طرح اگر میں املا کے بارے میں یہ عرض کروں کہ غلط العام صحیح تو اس کے مان لینے میں کیا خرابی ہے؟ اصلاح سے مجھے انکار نہیں ضرور اصلاح ہونی چاہیے مگر آنکھیں بند کرکے نہیں۔ بلکہ بہت سے امور کا لحاظ رکھنا پڑیگا۔ مثلاً صرف و نحو، تحقیق ماخذ، قواعد املا و خطاطی، وجوہ التباس، عرف عام، ذوق سلیم۔ علاوہ ازیں غور طلب ہے کہ کلیہ نہ تو کوئی آپ اب تک بنا سکے، نہ بن سکتا ہے۔

ایک یہ مسئلہ بھی تحقیق طلب ہے کہ کیا واقعی ہندی الفاظ میں ہائے مختفی کا وجود ہے؟ پاٹھ شالہ دھرم سالہ گئوسالہ آریہ اناتھالیہ وغیرہ ان کا صحیح تلفظ کیا ستیہ بھارتیہ مدھیہ راجیہ وغیرہ سے کچھ مختلف ہے؟ آخر میں یائے مجہول ہے یا ہائے مختفی؟ ایسے الفاظ کیلئے ایک کلیہ بننا چاہیے۔

تنوین ص ۱۱۰

عربی کے نون تنوین کو بھی اور الف کو بھی مان لیا گیا۔ لیکن حکم یہ دیا جارہا ہے کہ جہاں تائے تانیث ہو عربی املا کے خلاف تنوین نصبی میں وہاں بھی الف لکھا جائے۔

گذارش ہے کہ اس الف کو اڑا ہی کیوں نہ دیا جائے۔ بس دو زبر کافی ہیں۔ یا نون کی شکل میں لکھا جائے۔ یہ آسان ترین کلیہ ہاتھ آگیا۔ دونوں میں سے جو صورت پسند خاطر ہو۔ اس کا اعلان کردیا جائے۔ فوراً، فورن۔ حکماً، حکمن۔ اتفاقاً۔ اتفاقن۔ مثلاً مثلن۔ عادۃً۔ عادن۔ نسبتاً، نسبتن۔ شکایتاً۔ شکایتن۔ انتظاماً انتظامن۔ وغیرہ۔

عربی میں تائے تانیث یا تائے مصدری وغیرہ گول لکھی جاتی ہے۔ اور مادہ کی اور

جمع کی ت لمبی لکھی جاتی ہے۔ تنوین نصبی کی صورت میں تائے اصلی پر الف بڑھایا جاتا ہے۔ اور تائے زائدہ پر دو زبر لگائے جاتے ہیں۔ الف نہیں بڑھایا جاتا۔ تائے جمع پر تنوین نصبی نہیں آتی۔

یہ معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں کہ لفظ میں تائے اصلی ہے یا تائے زائدہ ذرا سی توجہ کی ضرورت ہے مثلاً لفظ نسبت کو لے لیجئے۔ اردو میں اس مادہ کے اور بھی مشتقات بولے جاتے ہیں۔

منسوب، مناسبت، انتساب، تناسب، متناسب، النسب، انساب، منتسب۔ اب آپ غور کیجئے۔ (ن س ب) ان سب الفاظ میں موجود ہے۔ یہی مادہ ہے۔ لہٰذا نسبت کی تے حروف اصلیہ میں سے نہیں ہے۔

حقیقت: اس کا مادہ اردو میں تلاش کیجئے۔ حقائق، تحقیق، متحقق، تحقق، محقق، حق، حقانی، احقاق، حقانیت، حقیت، حقا۔ ان سب میں (ح ق ق) مشترک ہے معلوم ہوا کہ لفظ حقیقت میں تائے زائدہ ہے۔

حکمت: حکم، احکام، محکم، استحکام، مستحکم، حکماء، حکیم، حکام، حاکم، حکومت تحکم، تحکیم، حکم، محکمہ، ان میں (ح ک م) مشترک ہے۔ معلوم ہوا کہ حکمت، حکومت اور محکمہ میں تائے زائدہ ہے۔

وقت: اوقات، موقت، موقتہ، توقیت، وقتیہ، وقتی۔ ان میں (و ق ت) مشترک ہے معلوم ہوا کہ لفظ میں تائے اصلی ہے۔

اثبات، مثبت، ثابت، ثبوت، ثبات، ثبت۔ ان میں (ث ب ت) مشترک ہے لہٰذا تائے اصلی ہے۔

واضح ہو کہ تائے اصلی والے الفاظ اردو میں بہت کم استعمال ہوتے ہیں۔ گنے چنے الفاظ ہیں۔ ان کا یاد کر لینا بھی زیادہ مشکل نہیں۔ لہٰذا مروجہ طریقہ املا کو بدلنے کی

قطعاً ضرورت نہیں۔ دو مادے تو اوپر لکھے گئے۔ باقی مندرجۂ ذیل ہیں۔

تفاوت: فوت، متفاوت، فائت۔ فائتہ۔ فوتیدگی۔ ان میں (ف و ت) حروف اصلیہ ہیں۔ بیت ابیات۔ سکوت ساکت۔ سکتہ (سکتہ میں دوسری تائے زائدہ ہے) سمت سموت۔ صوت اصوات۔ قوت اقوات۔ موت میت اموات ممات۔ نعت منعوت نعتیہ (نعتیہ میں دوسری تائے زائدہ ہے) نبات نباتات (نباتات میں دوسری جمع کی ہے اور تائے جمع مؤنث پر دو زبر نہیں آتے)

کچھ اور بھی ہیں۔ جو قلیل الاستعمال ہیں۔ اور ان میں کچھ وضاحت بھی ضروری ہے:

البتہ آخر میں تائے زائدہ ہے۔ اور لام تعریف کی وجہ سے اس پر تنوین نہیں آسکتی وقف کی وجہ سے وہ مبدل بہائے ہوز ہوگئی۔

بغتۃً، شماتۃً، نکتۃً۔ میں دوسری تائے زائدہ ہے۔ نکات میں تائے اصلی ہے۔

قنوتاً قانتاً میں تائے اصلی ہے۔

مفاعلہ اور دو فاعلہ کے وزن پر اردو میں بہت سے الفاظ رائج ہیں۔ سب میں تائے زائدہ ہوتی ہے۔ جیسے معاملہ محاکمہ مقابلہ۔ ضابطہ قاعدہ حادثہ۔

ہمزہ پر تنوین ص ۱۱۴

جن الفاظ میں الف کے بعد ہمزہ ہے ان میں ہمزہ پر دو زبر لگائے جاتے ہیں۔ جیسے احیاءً، ادعاءً التجاءً۔ اور جن میں الف نہیں ہے۔ اور مادہ مہموز اللام ہے ان میں الف بڑھایا جاتا ہے۔ مثلاً جزءً۔ جزءاً، شیءً، شیئاً، بریءً بریئاً قاریءً، قارئاً، مبدءً مبدأً۔

تائے دراز ص ۱۱۸

کاتب صاحب توجہ فرمائیں۔ ۱۱۸ و ۱۱۹ پر مندرجۂ ذیل الفاظ کے شوشے غلط ہیں: